اسرار احمد ''ابنِ صفی'' (۲۶/ جون ۱۹۲۸.....۲۶/ جولائی ۱۹۸۰ء)

..... پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی (۱۹۳۲ء.....۲۰۰۸ء).....

۱۹۵۳ء میں جب میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے پاس کر کے اسلامیہ کالج میں نوکری کا آغاز کر چکا تھا تو رمضان میں سائنس کا دورہ پڑا۔ اور مجھے علاج کی غرض سے اپنے معالج پھوپھا کے پاس کانپور جانا پڑا ٹرین میں معروف ناول نگار ''فاطمہ مبین'' کے بیٹے اور بہو سے ملاقات ہوئی جو لاہور کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ جا رہے تھے۔ دورہ پڑا تو ٹرین میں میری تیمارداری شدید دورے میں پیٹھ اور سینے پر دکس کی مالش کرنے کے ساتھ ہی میری اس دینی بہن نے مجھے ''جاسوسی دنیا'' کے دو تین شمارے بھی دیئے۔

''ابنِ صفی'' بالکل نیا نام۔ میں نے مطالعہ شروع کیا۔ کہانی کی دلچسپی میرے مرض پر غالب آ گئی۔ اور وہ سارے شمارے (دو یا تین) ختم کر کے میں آرام سے سو گیا۔ آنکھ اگلے دن لکھنؤ آنے سے پہلے کھلی۔ یہ تھا ابنِ صفی سے میرا پہلا تعارف اور میری بہن کا مجھ پر احسان۔ کانپور پہنچ کر میں نے اپنے چھوٹے بھائیوں ابو الحسنات اور ابوالبرکات سلمہا اللہ تعالیٰ سے کہا کہ وہ مجھے ''جاسوسی دنیا'' کے سارے شمارے لا دیں۔ اُن دنوں کانپور بھی ہندوستان کے دوسرے تمام مراکز کی طرح ''ابنِ صفی فوبیا'' میں مبتلا تھا۔ یوں ابنِ صفی نے صرف جنسی ادب کی طرف سے ہی لوگوں کی دلچسپی کا رُخ نہیں موڑا بلکہ انہوں نے ہندوستان میں اردو کی بقا کے سلسلے میں بھی تاریخی کردار ادا کیا۔

میری اس بات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ''ہندوستان میں ابنِ صفی اردو کی بقا کا واحد وسیلہ تھے۔ صرف یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ جن عناصر میں ہندوستان میں اردو کتابوں کے مطالعے کی روایت کو زندہ و برقرار رکھا ابنِ صفی ان عناصر میں سے ایک تھے''۔ بعد ازاں ان شماروں کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ ہر شمارے (کتاب) کے ساتھ ہی ابنِ صفی کے اسلوب میں پختگی آتی گئی۔ کرداروں پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ کہانیوں کی بنت میں ماہرانہ انداز ابھرتا گیا۔ پھر یہ صرف جرم و سزا کی کہانیاں نہیں تھیں بلکہ ان میں انسانی نفسیات کے مطالعے بھی تھے۔ خاندانی جھگڑوں اور موروثی خصوصیات کے عناصر بھی تھے۔ مجرموں کی انڈر ورلڈ (خفیہ دنیا) کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ جرائم کا ارتکاب ہمارے اُجلے معاشرے کے اُجلے لوگ بھی کرتے ہیں۔ میرے پھوپھا جو طلسم ہوشربا کے قاری تھے میرے وہاں پہنچنے

کے بعد ابنِ صفی کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ پاکستان واپس آ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہاں بھی ابنِ صفی Craze کا دور دورا ہے۔

ہمارے ایک بزرگ ہم وطن تھے۔ (اللہ کرے اب بھی ہوں، کراچی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم سب ایک دوسرے سے بے خبر ہیں) خیر تو عبدالباری صاحب جس دن جاسوسی دنیا ہندوستان سے آتا پانچ روپے کا خریدتے۔ آدمی معقول تھے تاجرانہ ذہنیت کے مالک ہوتے تو ایک ایک روپے میں بہتوں کو پڑھاتے۔ معلوم ہوا کہ وہ بلا معاوضہ پڑھنے کو عطا کرتے ہیں۔ میں اُن سے لے کر پڑھنے لگا۔ طاہر بک ڈپو صدر تک جا پہنچا تو بھائی طاہر اور ان سے زیادہ ٹرام پٹے پر اس دکان سے مجھے یہ کتاب داؤد سے دوستی کے سبب ملتی رہی۔ داؤد میرے لیے ''جاسوسی دنیا'' آتے ہی رکھ لیتے۔ ہم ان دنوں ہر شام صدر جاتے تھے۔ (دیکھیے کراچی کی کہانی مدیر اجمل کمال میں اسد محمد خان صاحب کا مضمون طوفان کے مرکز میں ذکر کتابوں اور اہلِ قلم کی بیٹھکوں کا)۔

طاہر بک ڈپو کے سامنے ہی پشاوری ہوٹل (اب قلفی مرچنٹ) اور اس کے باہر حاجی پان والے کی دکان۔ اس راستے پر اہلِ قلم کی ٹولیاں کھڑی باتیں کرتی رہتیں۔ یا ہوٹل کیفے جارج اور کیفے ٹیریا میں چائے پینے میں مصروف ازاں بعد کیفے فردوس ایئر ہوٹل ٹھکانہ ہوا کرتا تھا۔ واضح کر دوں کی ابنِ صفی کی ''جاسوسی دنیا'' کو نہ تو لفافے میں چھپایا اور نہ کتابوں کے درمیان دبایا۔

میں نے محمد حسن عسکری صاحب کو بھی دو تین ناول پڑھوائے جونئر کے منتے ہوئے فن پر آزردہ تھے۔ پھر تو یہ معاملہ ہوا کہ وہ ہر مہینے پوچھتے ''خیر صاحب نیا ناول آیا؟''۔ جن لوگوں کو میں نے مشرف بابنِ صفی کیا ان میں سرشار صدیقی بھی شامل ہیں۔ وہ اس کا تحریری اعتراف بھی کر چکے ہیں۔ مجھے حسنین کاظمی صاحب نے بتایا کہ ''ابنِ صفی تو ہمارے شہر کے باسی ہیں''۔ میں انہیں ہندوستانی سمجھتا تھا۔ کچھ نہ پوچھیے کتنی خوشی ہوئی۔ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ غالباً ۱۹۵۸ء میں مہر نیم روز میں چہ دلا است میں علی اکبر قاصد، حسن مثنیٰ ندوی اور میں مشاہیر کی ادبی چوریوں کے حوالے سے مضامین لکھتے تھے۔ انگریزی ناولوں سے ماخوذ ان کی دو تین کہانیوں پر مضمون میں بلا نام و حوالہ طنز کیا گیا۔ ویسے بھی کہانیاں ان کے لیے باعثِ افتخار نہ تھیں۔ وہ تو محض راستہ تلاش کرنے کا مرحلہ تھا۔ ابنِ صفی صاحب نے ایک پیش لفظ میں ان ناولوں کا ذکر کر دیا اور بات ختم ہو گئی۔ پھر ان سے ملاقات ہوئی۔ میری ذہن میں بھی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث تازہ ہو گئی کہ ''مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے''۔ مجھ سے ملاقات میں نہ وہ خفا ہوئے نہ آزردہ۔ بلکہ اس بات پر انہیں خوشی تھی کہ ''افکار'' کے دس سالہ نمبر میں اردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے ان کا تذکرہ کیا تھا۔